© rasailojaraid.com

شذرات

پاکستان کی سماجی، اخلاقی، ذہنی اور مذہبی زندگی میں اس وقت جو ہم اچھے خاصے وسیع پیمانے پر ایک طرح کی بے چینی، اضطراب، خلفشار اور ہیجان پاتے ہیں، یقیناً وہ لازمی نتیجہ ہے اس صورتِ حال کا کہ پاکستان زرعی معیشت سے نکل کر صنعتی و مشینی معیشت کے دائرے میں داخل ہو رہا ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ دُنیا کے ہر ملک میں، جسے اپنی تاریخ میں اس دور سے گذرنا پڑا ہے، اِس قسم کے حالات رُونما ہوتے رہے ہیں اور اُسے اُن سے عہدہ برآ ہونا پڑا۔ بے شک یہ حالات بعض دفعہ کافی ناخوشگوار صورت اختیار کر لیتے ہیں اور حسّاس طبیعتیں اس سے گھبرا بھی جاتی ہیں، لیکن ایک ترقی پذیر معاشرے کے لئے یہ امر لابد ہے، کیونکہ جب پُرانی عمارت گرے گی اور اُس کی جگہ نئی عمارت بنائی جائے گی تو گرد و غبار کا اٹھنا اور توڑ پھوڑ کا ہونا ناگزیر ہے۔ بہر حال معاشرے کا یہ قدم آگے کی طرف ہوتا ہے۔ اسے زوال، انحلال اور انتشار کا پیش خیمہ سمجھنا صحیح نہیں۔

پاکستان کو اگر مضبوط، ترقی یافتہ اور خوش حال ملک بننا ہے، تو اسے لامحالہ صنعتی و مشینی معیشت کو اپنانا اور اُس میں زیادہ سے زیادہ آگے جانا ہوگا، اور اُس کے لئے اِس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ اب اِس ضمن میں اُسے اگر اپنی سماجی، اخلاقی، ذہنی اور مذہبی زندگی میں بعض ناخوشگوار حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، تو اُن کا اُس کو حل ڈھونڈنا اور اُن پر قابو پانا ہوگا۔ بے شک اس معاملے میں سب سے بڑی ذمّہ داری حکومت کی ہے۔ اُس کے پاس ان حالات سے نمٹنے کے مادّی ذرائع بھی ہیں اور وہ اس سلسلے میں فیصلہ کُن اور مؤثر ترین قدم بھی اٹھا سکتی ہے، لیکن جہاں تک عوامی سطح کا تعلق ہے، اس محاذ پر ظاہر ہے سب سے بڑی طاقت ہمارے علمائے کرام کی ہے، وہ خُدا کے فضل سے تعداد میں بھی کافی ہیں، اور پھر اُن کا عوام سے سب سے زیادہ رابطہ بھی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاکستانی معاشرے کی سماجی و اخلاقی اصلاح اور اُس میں مذہب کی صحیح رُوح پیدا کرنے کا کام جس مؤثر طریقے سے ہمارے علمائے کرام کر سکتے ہیں، اور کوئی نہیں کر سکتا، لیکن اس کے لئے چند شرائط ضروری ہیں، اور ہم ان صفحات میں بار بار ان کے بارے میں اظہارِ خیال کر چکے ہیں۔ ان میں سے ایک بنیادی شرط تو یہ ہے کہ علماء بحیثیت ایک دینی جماعت کے، حزبی سیاست (پارٹی پالیٹکس) سے احتراز فرمائیں، اور مذہب کے نام سے اور مذہبی اسٹیج سے الیکشن لڑنا اور لڑانا چھوڑ دیں۔ دوسرے یہ کہ وہ مذہب کو اتحاد بین المسلمین کا ذریعہ بنائیں نہ کہ تفرقہ اندازی اور فرقہ آرائی کا۔ وہ دینِ اسلام کے متفقہ علیہ مقاصد و مبادی پر زور دیں، اور اختلافی مسائل کو اصل اُصول نہ بنائیں۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ کچھ عرصے سے علمائے کرام کے بعض حلقوں میں اسی نہج پر سوچا جا رہا ہے اور اس کا اظہار لاہور اور لائل پور سے نکلنے والے کئی ایک دینی رسائل کے صفحات پر بھی ہوا ہے، پچھلے دنوں ایک رسالے نے لکھا کہ مختلف مسلکوں کے حاملین کی ایک اجتماعیت ترتیب دی جائے ـــــ "یہ حضرات کسی سیاسی جدّوجہد (مُراد معروف معنوں میں سیاسی جدّوجہد ہے) میں شریک نہ ہوں۔ نہ ہی اقتدار سے رابطہ استوار کرنا اُن کے مقاصد میں شامل ہو اور نہ ہی یہ اقتدار کو حریف اور برسرِ اقتدار عناصر کے بالمقابل حریف حزبِ اختلاف میں یہ شامل ہوں۔ یہ حضرات پُورے معاشرے کو اپنا مخاطب سمجھیں ....." اور یہ کہ "خالصتہً رضائے الٰہی کے حصُول کی خاطر گروہ بندیوں، فروعی اختلافات اور فقہی مسالک کے تعدّد کے علی الرغم، اس کارِ عظیم کے لئے متحد ہونے پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ تحفّظِ اسلام کی خاطر ایثار سے کام لیں۔"

ایک اخباری اطلاع ہے کہ حال ہی میں اس خیال کے حامی حضرات علماء کا کراچی میں ایک اجتماع ہوا ہے، اور اُس میں اس قسم کی "اجتماعیت" کی تشکیل عمل میں آئی ہے، ہم اس اقدام کا صدقِ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں، اور متمنّی ہیں کہ یہ "اجتماعیت" صرف چند افراد تک محدود ہو کر نہ رہ جائے، بلکہ اسے ایک فعّال تحریک کی شکل دی جائے، تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں حضرات علماء اس کے مقاصد کو اپنا سکیں۔ سیاست بازی اور گروہ بندی نے اس ملک میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمائے کرام کے وقار کو بڑا دھکا لگا یا ہے۔ اب اگر یہ حضرات چاہتے ہیں کہ حاملینِ دینِ اسلام ہونے کی حیثیت سے معاشرے کی اصلاح اور عوام کو صراطِ مستقیم پر لانے کی جو ذمہ داریاں اُن پر عائد ہوتی ہیں، وہ اُن سے عہدہ برآ ہوں، تو اُس کا واحد طریقہ یہی ہے، جس کی مذکورہ بالا رسالے نے اُوپر نشان دہی کی ہے۔

اسلامی ملکوں میں شاید پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے، جہاں دینی تعلیم کا سرے سے کوئی نظام نہیں، اور اُس میں کاملاً انتشار اور انارکی برپا ہے، آپ غیر دینی تعلیم گاہ کھولیں، تو اُس کے لئے محکمۂ تعلیم کی منظوری ضروری ہے اور اگر کوئی غیر دینی تعلیم گاہ محکمۂ تعلیم سے منظوری نہ بھی لے، تو وہ اُس کے مقرر کردہ امتحانات سے بے نیاز نہیں ہو سکتی، لیکن اس کے برعکس ہمارے دینی دارالعلوم اور مدارس ہیں کہ وہ اِس قسم کی ہر پابندی اور قاعدے سے آزاد ہیں۔ چنانچہ اُن کی حالت یہ ہو گئی ہے، جیسا کہ ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور میں ایک صاحب نے لکھا ہے:۔

> "کم سواد اور غیر مربوط مدارس کی پیداوار، جب ان چھوٹے چھوٹے مدارس سے فارغ ہوتے ہیں تو اپنے لئے تجارت، محنت، مزدوروں کی راہیں کچھ سازگار نہیں پاتے۔ تو پھر یا تو وہ بعض معمولی معمولی مسائل پر جھگڑا شروع کرتے ہیں یا پھر الگ الگ مسجد بنانے کے بعد پڑوس کی مساجد سے نمازی اغوا کرنا شروع کر دیتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر یہ حضرات ہر اخلاقی انحطاط اور انتہائی بدذوقی، بے مروّتی اور شرارت کا ارتکاب کرتے ہیں ....."

جس ملک میں دینی تعلیم کی یہ حالت ہو، وہاں یہ کیسے توقع ہو سکتی ہے کہ اس کے حامل حضرات اہلِ ملک کی رہنمائی کے فرائض سرانجام دے سکیں گے ۞

© rasailojaraid.com